سوئے منزل

یعنی

ہمارے معاشی مسائل اور ہماری خرابیوں کا مکمل حل

علامہ محمد یوسف جبریل

OQASA Publications

غوثیہ کتب خانہ مین بازار نواب آباد واہ کینٹ ضلع راولپنڈی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: سوئے منزل (یعنی ہمارے معاشی مسائل اور ان کا حل)

مصنف: علامہ محمد یوسف جبریل

تعداد: ایک ہزار اشاعت سال ۲۰۰۵

سرورق: رضوان یوسف
ای میل:oqasaorg@gmail.com

پرنٹر: اسد پرنٹنگ پریس گوالمنڈی راولپنڈی

تحریر سال:۱۹۸۲

ملنے کا پتہ: غوثیہ بک سنٹر نواب آباد واہ کینٹ ضلع راولپنڈی

فہرست مضامین

۱۔ عرض مصنف

۲۔ باب اول اسلامی نظام معاش کے زریں اصول

۳۔ باب دوم اسلامی تحدید کا طریقہ

عرضِ مصنف

اسلام ہم جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ تاہم مختلف پہلو اپنی اپنی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں اور ہر ایک کی تنفیذ کا ڈھنگ ان کی بنیادی خصوصیات کے مطابق ہوتا ہے مثلاً اسلام کے دو بڑے پہلو ہیں۔ ایک دینی ہے اور دوسرا دنیاوی۔ ارکان اسلام اسی دینی پہلو میں شامل ہیں۔

دینی پہلو کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر ایک چیز اول تا آخر مکمل اور اکمل صورت میں دی گئی ہے۔ مثلاً نماز کا لفظ اور تمام طریق کار اول تا آخر مقرر ہو چکا ہے اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ اس کے تمام اصول وفروع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقرر ہو چکے ہیں۔

اسلام کا دوسرا پہلو دنیوی ہے۔ اس دنیوی پہلو کے اصول وفروع بھی روز اول سے معین ہو چکے ہیں لیکن جہاں تک معاشیات کا تعلق ہے، چونکہ معاشیات ایک ہمیشہ بدلنے والا موضوع ہے، اسے کسی ایک جگہ قرار نہیں اس لئے اس پر لاگو ہونے والے اصولوں کا اطلاق تدریجی ہے یعنی جوں جوں حالات ایک اصول کے اطلاق کے لئے موزوں ہوتے جائیں، وہ اصول بتدریج لاگو ہوتا جائے لیکن یاد رکھنے کی بات اس امر میں یہ ہے کہ معاشی اصول وقوانین بھی روز اول سے ہی قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ دنیا کے کسی بھی دور یا زمانے میں مسلمانوں کو کسی بھی دوسرے نظام سے اسلام کی تہی دستی کی بنا پر کوئی اصول یا کوئی قانون لینے کی ضرورت نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایسے اصولوں کا اطلاق لازماً اور طبعاً تدریجی ہونا چاہیئے اور اسی لئے معاشیات کے معاملے میں طویل المیعاد منصوبوں پر تکیہ کرنا پڑتا ہے۔ واضح ہے کہ جس زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی تعلیم دی تو آپ ﷺ کے تیئیس سالہ دور نبوت میں قیامت تک کے لیے آنے والے مختلف معاشی مناظر اور ہر دور کے خصوصی معاشی حالات سب یکجا جمع نہ ہو سکتے تھے۔ تاہم قرآن وسنت میں وہ تمام بنیادی اصول ایک ایک کر کے بیان فرما دیئے گئے، جن پر ہر آنے والے دور کی معیشت کا دارومدار ہو سکتا تھا۔ اس کی مثال دیتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضور اکرم ﷺ نے اسلامی معیشت کے نظام کا پودا اپنے دستِ مبارک سے لگا دیا جس نے دور بہ دور اور عصر بہ عصر ترقی کر کے آخر کار ایک مکمل درخت بن جانا تھا۔ ظاہر ہے کہ بیج میں درخت کی تمام خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ موضوع کا تجزیہ کرتے وقت یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض ایسے اصول بھی ہیں جو اگرچہ قرآن وسنت میں موجود تھے۔ تاہم ان کا تدریجی اطلاق اس لیے ضروری تھا کہ ان کا فوری اطلاق ننھے اسلام کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔ اوائل میں ہر سطح پر اسلام کی شدید مخالفت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے محیر العقول حکمت عملی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ مثال خود کائنات میں موجود ہے۔ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے اور اس لئے کائنات کے اصولوں کی ہمہ گیریت اسلام میں بھی کماحقہ موجود ہے۔

کائنات کے دو پہلو ہیں۔ ایک روحانی دوسرا مادی۔ اسلام کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک دینی اور دوسرا دنیوی۔ کائنات کی روحانی جانب کے اصول اول سے بتمام وکمال لاحق ہیں اور یہ قیامت کے بعد بھی قائم رہیں گے۔ زمانے کا تغیر ان پر کسی صورت بھی اثر انداز نہیں ہوتا۔ اسلام کے دینی پہلو کی بھی یہی صورت ہے۔ اسلام کے دینی جانب دینِ اسلام کی تکمیل کے ساتھ مکمل طور پر اس طرح مکمل ہو گئی کہ سارے اصول بہ یک وقت لاگو ہو گئے اور اس میں قیامت تک نہ تو کسی لفظ کے بدلنے کی گنجائش ہے نہ کسی رسم کی۔ کائنات کی

روحانی جانب کے اصول قیامت کے بعد اس وقت بھی لاگو رہیں گے جب یہ مادی کائنات معدوم ہو جائے گی۔اسی طرح اسلام کی دینی جانب کے اصول وقوانین بھی اس مادی کائنات کے معدوم ہو جانے کے بعد بھی یعنی قیامت کے بعد کی دنیا میں بھی لاگو رہیں گے مگر کائنات کی مادی جانب کا معاملہ مختلف ہے۔کائنات کی مادی جانب بتدریج ظہور پذیر ہوئی۔وہ لحہ بہ لحہ تغیر پذیر ہے اور اسی تغیر پزیری کے سبب آخر کار نابود ہو جائے گی۔اس جانب کے اصول وقوانین بھی بتدریج بدلتے ہوئے حالات کے مطابق لاگو ہوئے۔اسی طرح اسلام کی معاشی جانب کے اصول وقوانین بھی بتدریج ہی لاگو ہوئے اور بتدریج ہی لاگو ہونے تھے۔اگر خلافت کے اعدام اور ملوکیت کے قیام کا المیہ رونما نہ ہوتا۔اس طرح جوں جوں معاشی تغیرات رونما ہوتے جاتے اور حالات بعض اصولوں کے اطلاق کے لئے موزونیت اختیار کرتے جاتے تو یہ اصول وقانون بتدریج لاگو ہوتے جاتے۔

سائنس دان ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ زمین جس پر ہر طرف باغ وراغ ہیں، کسی وقت آگ کا ایک جلتا ہوا گولا تھی۔اگر یہ بات درست ہے تو پھر اس وقت زمین پر صرف تھرموڈائنامکس (حرارت کے) قانون ہی لاگو ہو سکتے تھے۔پھر سائنس دان ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین بتدریج ٹھنڈی ہوتی گئی، حتیٰ کہ زمین پر بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔واضح ہے کہ بارش کے ساتھ ساتھ میٹرولاجیکل (موسمیات) کے قانون لاگو ہوئے ہوں گے۔بارش کے نتیجے میں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے جب نباتات کا سلسلہ شروع ہوا ہوگا تو پھر بوٹانیکل (نباتاتی) قانون لاگو ہو گئے ہوں گے۔وعلیٰ ہذا۔حیوانات اور انسان کی پیدائش پر زوآلوجیکل (حیواناتی) اور انتھروپالوجیکل (انسانی) قوانین نافذ ہوئے ہوں گے۔تاہم یہ تمام قوانین پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں لکھے ہوئے موجود تھے۔

یہی حال اسلام کی معاشی جانب کا ہے۔اگر چہ معاشی نظام کے تمام قوانین اور اصول تو پہلے سے ہی قرآن وسنت میں موجود تھے۔ تاہم ان کا اطلاق تدریجی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ یہ امر تو محال ہے کہ آنحضور ﷺ کے اس خصوصی زمانے اور آپ ﷺ کے تیئیس سالہ دور نبوت میں وہ تمام معاشی مناظر یکجانہ کئے جا سکتے تھے، جو آئندہ قیامت تک کے لئے انسانیت کے بدلتے ہوئے معاشی حالات کے سبب دنیا میں رونما ہونے والے تھے۔اس لئے جہاں اسلام کے معاشی نظام کے اصولوں اور قانونوں کی بنیاد تو خود اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے رکھدی تھی مگر ان کی تکمیلی صورت طویل المیعاد منصوبوں پر چھوڑ دی گئی تا کہ مسلمان آئندہ بدلتی ہوئی معاشی کیفیت کے مطابق حالات کی موزونیت کے درپیش ان تمام اصولوں اور قانونوں کی تکمیل کرتے جائیں۔غلامی کی واضح مثال اس ضمن میں ہمارے سامنے ہے۔غلامی اسلام کے لئے ہرگز قابل قبول نہ تھی یعنی اسلام غلامی کو ایک دن کے لئے بھی قبول نہ کر سکتا تھا مگر غلامی کی تنسیخ کے فوری احکام ایک اتنا بڑا طوفان اور عداوت اور ناپسندیدگی کی اتنی طاقت ورباطنی لہر پیدا کر سکتے تھے کہ ننھے اسلام کے لئے سنگین خطرہ پیدا ہو جانے کا احتمال تھا۔لوگو ں کی معیشت غلامی سے وابستہ تھی۔بہت سے لوگ نوابانہ ٹھاٹھ باٹھ سے صرف اس لئے رہتے تھے کہ ان کے غلام کافی مقدار میں انکے کاروبار میں لگے رہتے۔اب ایسے لوگوں کے لئے اپنی معاشی تباہی کو طوعاًو کرھاً قبول کرنا کس قدر دشوار تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ معاشی بربادی سے بچ گئے اور دوسری طرف اسلام کی اس معاملے میں حکمت عملی کے سبب بتدریج بالآخر غلامی کی لعنت دنیائے اسلام سے قطعاً معدوم ہو کر رہ گئی۔اسلام نے

اگر غلامی کے خلاف فوری احکام تو صادر نہیں کئے مگر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ طبعاً غلامی کچھ عرصے کے بعد رفتہ رفتہ ناپید ہو گئی مثلاً بعض جرموں کے لئے کفارہ کی یہ صورت رکھی کہ غلام یا لونڈی ہو تو وہ آزاد کر دے۔ پھر یہ قانون بنا دیا کہ اگر غلام اور آقا باہمی رضامندی سے ایک ایسی مقدار رقم پر رضامندی ظاہر کریں جو غلام آقا کو ادا کر دے تو غلام آزادی کا پروانہ حاصل کر سکتا ہے اور پھر غلاموں کو آزادی دلوانے کی تلقین اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں پر زور کی ہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک اجازت دے دی کہ زکوۃ کی رقم بھی غلام کو آزاد کرنے میں تصرف کی جاسکتی ہے۔ پھر حکم دیا کہ اگر لونڈی آقا سے حاملہ ہو جائے تو وہ آزاد اور اگر اس کی اولاد ہو تو وہ آقا کی آزاد عورتوں والی اولاد کے برابر وراثت میں شریک۔ پھر یہ حکم دے دیا کہ مالک غلام کو وہی کھلائے جو خود کھائے۔ پہننے کو وہی دے جو خود پہنے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسی باتیں تھیں جو بالآخر غلامی کے اعدام پر منتج ہوئیں اور غلامی آخر کار امت مسلمہ سے مٹ گئی مگر افسوس کہ اسلامی نظام معیشت کا وہ پودا جو خود حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا اور خلفائے راشدہ نے اس کی حتی المقدور اور حالات کے مطابق آبیاری کی، اپنی نوعمری میں ہی خلافت راشدہ کے اختتام اور جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ ملوکیت کے قیام کے ساتھ کٹ گیا اور مسلمان اسلامی نظام معیشت سے اس قدر دور ہو گئے کہ آج بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ اسلام کے پاس معاشی نظام سرے سے ہے ہی نہیں۔ زمین کی تدریجی تغیراتی کیفیتوں کے بیان میں ہم نے سائنس دان کا نام لیا ہے تو اس معاملے میں عرض ہے کہ سائنس دان کا نام تو ہم نے محض ازراہ تفنن لے لیا۔ خود قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا اس کائنات کو چھ روز میں پیدا کرنا محقق ہے کسی غلط فہمی میں نہ پڑا جائے۔ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو پاکستانی کہتا ہے سے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اسلام اور پاکستان کا واسطہ دے کر یہ استدعا کرتا ہوں کہ جو کچھ میں اسلام کے معاشی نظام کے متعلق کہنے والا ہوں، غور سے سنئے۔ شائید کہ اس میں قوم کی بہتری ہو۔ شاید کہ وہ خلفشار جس میں ہمارا وطن عزیز اس وقت مبتلا ہے۔ ٹل جائے۔ شاید کہ جس کشمکش موت وحیات میں ہم اس وقت مبتلا ہیں، زندگی کی فتح پر منتج ہو اور یاد رکھیئے کہ میں نے اپنی طرف سے بہت کم کہا ہے بلکہ سب کا سب فرمودہ قرآن وسنت ہے اور اکثر آئمہ وفضلائے اسلام کا متفقہ علیہ ہے۔ میرے بیان کو قرآن وسنت کی سند اور عقل ودانش کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے اور اگر اسے رد کرنا ہے تو بھی قرآن وسنت کی سند اور عقل ودانش کی دلیل سے رد کیجئے اور میری ذات کو یکسر نظر انداز کر دیجئے بلکہ اپنے ذہن سے سراسر محو کر دیجئے۔ میں کون ہوں، کیا ہوں، کہاں ہوں، جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں، اس سے غرض نہ رکھئے، البتہ جو کچھ میں کہتا ہوں اسے غور سے سنئے اور یاد رکھیئے کہ میں کبھی بھی اس ملک کی تباہی خاموش تماشائی بن کر نہ دیکھ سکوں گا۔ میں جانتا ہوں۔ اسلام کا معاشی نظام شتر مرغی کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اچھی خاصی قربانی کا متقاضی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ صدیوں سے سرمایہ داری اور جاگیرداری کے زیر اثر قوم جس کی نس نس میں یہ نظام رچ بس چکا ہے۔ اب دفعتہً اس کے لئے اسلام کا معاشی نظام ایک عجوبے سے کم نہیں ہوگا۔

باب اول

اسلامی نظام معاش کے زریں اصول

اس مختصری تمہید کے بعد اب ہم اسلام کے نظام معاش کے بنیادی اصول لکھیں گے۔ظاہر ہے کہ ایک ننھے سے آرٹیکل میں اتنا بڑا مضمون کسی شرح و بسیط کے ساتھ بیان کرنا ممکن نہیں اور صرف بنیادی اصولوں کی ایک نہایت مختصری تلخیص پر ہی اکتفا کیا جائے گا مگر اللہ تعالٰی نے چاہا تو انشاءاللہ اسی چھوٹے سے مضمون میں حتی المقدور اسلام کے معاشی اصولوں کو آئینہ کر کے دکھایا جائے گا۔

(۱) اب جو کچھ معلوم ہے ۔وہ یہ ہے کہ:۔

یہ دنیا اور جو کچھ بھی اس میں ہے، اس کا خالق، مالک اور وارث اللہ ہے۔آدمی کے لئے عارضی، عارتۃً اور مشروط انتفاع ہے لیکن جو کچھ جاننے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ:۔

(۱) بےحد ایسا امکان موجود ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں اپنے لئے ایسی ہی ملکیت کا خیال جاگزین ہو جائے جیسی کہ فقط اللہ ہی کو سزاوار ہے۔ملکیت کے ایسے خیال کو ملکیت کا فرعونی تصور کہا جائے گا اور یقین مانئے، آج پاکستان اور دنیائے اسلام بلکہ تمام دنیا کے ہر گلی کوچے، ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں ایک فرعون شاہانہ انداز سے بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد اس کے پجاری پوجا کی مختلف حالتوں میں موجود ہیں۔کوئی ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہے،کوئی منہ کے بل سجدے میں پڑا ہے،کوئی اس کے پاؤں پر گرا ہوا ہے، یہ صورت حال انتہائی افسوسناک ہے۔خصوصاً اس ملک میں جس کے باشندے اپنے آپ کو اس دین کا پیرو کہتے ہیں، جسے اسلام کہا جاتا ہے اور اسلام جیسے کہ معلوم ہے،فرعونیت کو دنیا سے مٹانے کے لئے آیا ہے نہ کہ اسے اپنانے کے لئے۔اسلامی توحید محض کسی زبانی اقرار کا نام نہیں، بلکہ خدا کے مقابلے میں کھڑا ہونے یا اس کی خدائی میں شریک ہونے والے ہر فرد یا ایسے فرد کے پیدا کئے ہوئے نظام کے خلاف ابدی جدوجہد بھی لازمی ہے اور جب تک ملکیت کا موجودہ فرعونی تصور موجود ہے اور اس کی بیخ کنی کے لئے موثر اقدامات نہیں کئے جاتے۔ہماری معاشی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی یا سیاسی صورت حال کسی طرح بھی کسی بہتری کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔مشرکانہ معاشی نظام کسی صورت بھی اللہ کے لئے قابلِ قبول نہیں اور انجام کار ابدی رسوائی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔

(ب) ملکیت کا دوسرا تصور یہودی تصور ملکیت ہے۔ ایسے تصور میں نہ تو فرد کے مال و دولت پر کسی بھی قسم کی کوئی تحدید ہے، نہ ہی عفو، مساوات، اخوت یا دولتہٗ کا کوئی تصور ہے اور سود ایسے نظام کی روح رواں ہے۔ ایسا نظام دنیا بھر کے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ ممالک میں پایا جاتا ہے۔

(ج) ملکیت کا تیسرا تصور اسلامی تصور ملکیت ہے۔ مسلمان ظاہر اور باطن میں یہ تسلیم کرتا ہے کہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ کہ ہے بشمولیت مسلمان کی اپنی ذات کے، سب کا مالک اللہ ہی ہے، جو کچھ کہ فرد نے کمایا وہ بھی اللہ کا اور جو کچھ اللہ تعالٰی نے خود پیدا کر دیا، وہ بھی اللہ کا اور یہ کہ مسلمان کا اپنا نصیب ایک عارضی، عاریۃً اور مشروط قسم کا انتفاع ہے، چند موسموں کے لئے۔ جب تک کہ آدمی زندہ ہے۔ مزید برآں یہ کہ مسلمان کا حق اپنی دولت سے صرف اس قدر ہے جتنا کہ اس کی اپنی واجبی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر بھی مال و دولت اس کا ہے وہ ان مستحقین کا حصہ ہے جنہیں اللہ تعالٰی نے کسی بنا پر محروم رکھا ہے یعنی کہ اللہ تعالٰی نے امتحان کی خاطر بعض لوگوں کا مالی حصہ بعض دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں بطور امانت دے دیا ہے کہ آیا وہ اس امانت کو حق داروں تک پہنچانے کا حق ادا کرتے ہیں یا نہیں اور یہ کہ روئے زمین کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک خاندان کے مانند ہیں اور مساوات و اخوت کے اصولوں پر اللہ کے رزق میں برابر کے شریک ہیں۔ نیز یہ کہ فرد کی اپنی ضروریات سے فالتو دولت کا مستحقین تک پہنچانے کا اہتمام اگر فرد کی اپنی رضا و رغبت سے نہ ہو سکے تو اس کا نفاذ قانونی صورت میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۲) جو کچھ معلوم ہے یہ ہے کہ:۔

زمین پر رہنے والے ہر جاندار کے لئے زمین پر رکھے ہوئے خدائی رزق میں اپنی اپنی خاصیت کے مطابق حق حاصل ہے۔ لیکن جو کچھ معلوم ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ:۔

جہاں تک بنی نوع انسان کا تعلق ہے۔ انفرادی اور مجموعی تقاضوں کی روشنی میں ایک ایسے نظام معاش کی ضرورت ہے، جس میں مساوات کے تقاضے کما حقہ پورے ہو رہے ہوں۔ اس طرح کہ کسی بھی فرد یا گروہ کے لئے فرعونیت کے مظاہرے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ دنیا میں جتنے بھی معاشی نظام رائج ہیں، ان سب میں اسلامی نظام معاش کو اپنے معجزانہ توازن، بنیادی انصاف، انفرادی حقوق اور اجتماعی روابط کی دلپذیریت کی بنا پر ایک گونہ برتری حاصل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی خصوصیات اور بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھ کر یہ معلوم کیا جائے کہ اسلام کا معاشی نظام ہے کیا؟ اور اسکی شکل کیا ہے؟۔

(۳) جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ:۔

اسلام فرد کو نجی ملکیت کا حق عطا کرتا ہے اور فرد کے بنیادی سرمایہ یا ذاتی جائیداد پر کوئی تحدید روا نہیں رکھتا لیکن جو کچھ معلوم ہونا چاہیئے یہ ہے کہ اسلام ساتھ ہی دولت کے امراء کے ہاتھ میں جمع ہو جانے کو بھی ناپسند کرتا ہے۔ اب ایک طرف تو فرد کو لامحدود معاشی آزادی عطا کرنا اور دوسری طرف امراء ہی کے ہاتھ میں دولت کے جمع ہونے کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا بظاہر دو متضاد باتیں ہیں۔ پھر اسلام ان دو متضاد نظریوں میں تطبیق کیسے پیدا کرتا ہے؟ یہی نکتہ اسلام کے معاشی نظام کا پیچیدہ نکتہ ہے اور ساتھ ہی یہی نقطہ اسلام کے معاشی نظام کا دل بھی

ہے۔جس نے اسے سمجھ لیا اس نے اسلام کی روح کو پالیا۔یہ نکتہ گویا کہ ایک دروازہ ہے جو کھل جائے تو اسلام کے معاشی نظام کی ساری حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ہم اس اہم ترین معاملے کو ایک بار پھر دولۃً کے ضمن میں بیان کریں گے۔یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ:۔

ان دو ظاہراً متضاد نظریوں کے تضاد کو رفع کر کے ان میں باہمی تطبیق دینے کی غرض سے ہمیں اسلام کے بنیادی اصول مثلاً عفو، مساوات اور اخوت اور حریت وغیرہ کو سامنے لانا پڑے گا۔الحق کہ اسلام کی نس نس پر ہاتھ رکھنا پڑے گا۔تب جا کر اس نبض کی حقیقت سامنے آئے گی۔"عفو" اسلام کی بنیادی پالیسی فرد کی دولت میں فرد کے حق اور اس امر میں باہمی حقوق کی وضاحت کرے گا۔"مساوات" افراد کی باہمی برابری ثابت کرے گی۔"اخوت" باہمی احسان کی ضرورت سمجھائے گی اور "حریت" فرد کے نجی ملکیتی حقوق کی حفاظت کرے گی اور جہاں "حریت" فرد کے نجی ملکیتی حقوق عطا کرے گی اور فرد کے بنیادی سرمایہ اور نجی جائیداد پر کسی قسم کی تحدید کی نفی کرے گی۔وہاں "عفو" فرد کے اپنی دولت سے حقوق اس حد تک تعین کرے گا جس حد تک کہ فرد کی نجی ضروریات کا تقاضا ہے۔"مساوات" ہمیں تمام افراد کی باہمی برابری کا پیمانہ عطا کرے گی اور اخوت فرد کی مالی قربانی کے صدمے کو برداشت کرنے کی روح عطا کرے گی اور ساتھ ہی فرد کو مالی قربانی پر آمادہ کرے گی۔ان تمام باتوں کو بیک وقت مدِ نظر رکھتے ہوئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قوم کے متوسط طبقہ کی اوسط سالانہ آمدن یا نفع کو معیار قرار دے کر اس معیار سے بالا آمدن یا نفع کو ٹیکس یا کسی دوسرے طریق کار سے واپس لے کر مقررہ معیار کی سطح پر لایا جائے تاکہ یہ دولت ان لوگوں پر خرچ کی جا سکے جو اس معیار کی سطح سے نیچے ہیں۔ان لوگوں میں مزدور، ملازم اور ہر دوسرے طبقے کے لوگ شامل ہیں محتاج لوگوں کے لئے زکوۃ کی فراہمی کا اہتمام علحدہ ہوگا۔اس طرح مزدوروں یا ملازموں کی تنخواہیں اس اندازے سے مقرر ہوں گی جو زائد دولت والے افراد کی دولت واپس لے لینے پر ہوگا۔اگر یہ واپسی دولت زیادہ ہوگی تو مزدوروں کی تنخواہیں بھی اسی حساب سے زیادہ ہوں گی اور جو کم ہوگی تو اسی حساب سے ان کی تنخواہیں بھی کم ہوں گی۔کسی کو گلہ یا شکائت کا کوئی موقع نہ ہوگا اور نہ تو بے جا مہنگائی کے امکان پیدا ہو سکیں گے نہ کسی کو تنخواہ کی کمی کی شکائت ہوگی بلکہ ساری قوم ایک خاندان کی صورت اختیار کر لے گی۔قوم کا معینہ اوسط معیار ملک کی اقتصادی صورت کے پیش نظر بدلتی رہے گی جو دولت میں اضافہ ہوگا تو سب متاثر ہوں گے اور جو کمی ہوگی تب بھی سب متاثر ہوں گے۔لیکن یاد رہے کہ حریت کے تقاضوں کے پیش نظر اس مقررہ معیار کا اطلاق فرد کی نجی ملکیت پر ہرگز نہ ہوگا بلکہ صرف اور صرف سالانہ آمدنی یا نفع ہی زیر نظر ہوگی۔اس طرح حریت کے تقاضے بھی پورے ہو گئے، مساوات کے تقاضے بھی پورے ہو گئے، اخوت بھی بروئے کار لائی گئی، اس طرح کہ دس لاکھ سالانہ کمانے والا اگر مثلاً تیس ہزار سالانہ لے کر نو لاکھ ستر ہزار قومی خزانے کو واپس کرے گا تو اخوت کے جذبات کے ماتحت ہی ایسا کرے گا اور اخوت کے جذبات کو تسکین ہوگی۔"عفو" کے تقاضے بھی پورے ہو گئے اور نام اس عمل کا "دولۃً" رکھ دیا جائے گا۔جیسا کہ اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ "کی لا یکون دولۃً بین الاغنیاء منکم"۔"ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے امیر آدمیوں میں ہی گردش کرتی رہے" لیکن جو کچھ جاننا ہے۔وہ یہ ہے کہ:۔

کاملاً برابری کا لفظ مساوات کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔مساوات ایک اسلامی اصطلاح ہے۔جس کا ہم معنی ایک لفظ کسی بھی زبان میں نہیں پایا جاتا۔بے شک دو چیزوں کا کاملاً ایک دوسرے کے برابر ہونا محال ہی نہیں ناممکن ہے۔میں خود جو اس وقت یہ مضمون سپرد قلم کر رہا

ہوں وہ نہیں، جو میں اس وقت تھا جب میں نے اس مضمون کی ابتدا کی اور میں اس وقت وہ تھا جواب نہیں ہوں ۔ گویا کہ میں چند گھنٹے اس وقت کے مقابلے میں معمر ہوں ۔ جب میں نے اس مضمون کو شروع کیا۔لہذا مساوات کو کاملاً برابری کے معنے پہنانا بعید از قیاس اور مغالطہ آمیز بات ہے ۔البتہ مساوات کی تعریف ہم یوں کر سکتے ہے کہ ہر فرد کے لئے تمام بنیادی انسانی حقوق اور ہر فرد کے لئے بلالحاظ رنگ و نسل یا غربت وامارت جسم کی کفالت اور صحت کے حصول کے علاوہ ذہنی اور روحانی ارتقا کے برابر مواقع ۔البتہ اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ شخص سب سے اعلٰی ہے جو اللہ تعالٰی سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے اور سب سے زیادہ پرہیز گاری کرتا ہے ۔

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور مساوات توحید کا عکس اور ایک لازمی نتیجہ ہے ۔مساوات ہی سے توحید کی تصدیق ہوتی ہے ۔ مساوات ہی ہر قسم کے جھوٹے خداؤں اور فرعونوں کے خاتمے کی علامت ہے ۔اگر مساوات نہیں تو ہر طرف جھوٹے اور متکبر لوگوں کے لئے اپنی خدائی اور فضلیت کے منوانے کے مواقع موجود ہوتے ہیں ۔انہیں جھوٹے اور متکبر لوگوں کی ہستی کو معدوم کر کے انہیں برابری کی ایک سطح پر لانے کے لئے مساوات کا نظریہ پیش کیا گیا ہے ۔مساوات دراصل ایک ایسی روح کی مانند ہے جو اسلام کے ہر جزو اور ہر پہلو اور ہر شعبہ میں رواں دواں ہے ۔میں اس ملک کے دانش وبینش سے عرض کروں گا کہ اسلام کی سب سے واضح تر خاصیت یعنی اعتدال کے اصول کو اسلام کے ہر شعبے میں پیش نظر رکھیں ۔انشاء اللہ تمام گھتیاں سلجھتی جائیں گی اور اسرار ورموز منکشف ہوتے چلے جائیں گے ۔

مساوات کے معالمے میں بھی اسی اعتدال کے اصول کو مد نظر رکھئے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح سارا معاملہ واضح ہو جاتا ہے ۔کلی مساوات جو کہ ناممکن ہے اور عدم مساوات جو کہ غیر اسلامی ہے کے درمیان ایک اوسط سطح پر لکیر کھینچ دیں ۔یہی اسلامی مساوات قرار پائے گی اور یہ منصفانہ تقسیم زر کی نفی نہیں کرتی ۔اوسط اور اعتدال ہی اسلام کا طرہ ءامتیاز ہے ۔جہاں بھی کوئی گتھی پیدا ہو تو یہی نقطۂ نگاہ ہی حل میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے ۔مساوات ہو کہ منصفانہ تقسیم زر ۔ہر ایک میں یہی اعتدال ہی آخر کار ہر گتھی کو سلجھائے گا ۔منصفانہ تقسیم زر میں جہاں ایک طرف ہر پیشہ اور ہر کام کی خصوصی نوعیت کے مطابق قیمت مقرر ہوگی وہاں قوم کی زندگی کے معیار کو بھی ایک متوسط سطح پر لانے کے لئے ایک متوسط سطح پر کھینچی ہوگی اور اس سطح سے اوپر کی دولت کو اس مقررہ متوسط سطح پر لایا جائے گا اور اس سطح سے نیچے والے لوگوں کو اس سطح تک اٹھایا جائے گا اور اس طرح جہاں منصفانہ تقسیم زر کے تقاضے کماحقہ پورے ہوں گے ،وہاں ساتھ ساتھ مساوات کا بھی اسلامی اطلاق ہو جائے گا ۔پس معلوم ہوا کہ منصفانہ تقسیم زر اور مساوات کے اصول جن کو بعض لوگوں نے ایک دوسرے کی ضد قرار دے دیا ہے قطعاً ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے نہ ہی ایک دوسرے کی ضد ہیں ۔

(۵) مزید جو کچھ کہ معلوم ہے ۔وہ یہ ہے کہ :۔

''یرزق من یشاء بغیر حساب ''.رزق اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے اور اس معالمے میں اس پر کسی قسم کا حساب یا شرط عائد نہیں ۔'' یرزق من یشاء بغیر حساب ''۔لیکن جو کچھ جاننے کی ضرورت ہے ۔وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کا کوئی فعل بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ہر فرد کے معالمے میں رزق کی تنگی یا فراخی جو بھی اللہ تعالٰی کی جانب سے ہوتی ہے ۔وہ ضرور کسی نہ کسی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے ۔لیکن یہ مصلحتیں اس قدر باریکی کی حامل ہوتی ہیں کہ بے چارے انسان کی نگاہ وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہے البتہ تھوڑا بہت جو کسی ایسی ہی مصلحت کا سبب انسان کو معلوم ہوتا ہے ۔معلوم ہو جاتا ہے تو وہ عسرت یا فراخی کے دور کے بعد اس کا نتیجہ سامنے آجانے کے بعد ہی ہوتا

ہے۔البتہ اس آیہء کریمہ یعنی "یرزق من یشاء بغیر حساب" کے متعلق اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ جہاں بھی قرآن حکیم میں یہ آیت بیان فرمائی گئی ہے وہاں اس کا بنیادی مقصد یہ واضح کیا گیا ہے کہ کافروں کو اپنی امارت پر مغرور ہو کر غریب مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے، کیونکہ کافر کی دولت اس کی اپنی کسی خصوصی قابلیت کی بنا پر نہیں، نہ ہی مسلمان کا فقر اس کی کسی خصوصی نا اہلی کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ رزق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے زیادہ دے، جسے چاہے کم دے۔ کفار کی دولت کوئی وجہ افتخار نہیں۔ساتھ ہی ایک بہت بڑی حقیقت اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں واضح فرمادی ہے، وہ یہ ہے کہ آخرت کو یہی غریب مسلمان ان امیر کافروں سے اوپر ہوں گے اور ایک بہتر ٹکانے کے امیدوار ہونگے۔

لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ مسلمان اسی آیہء کریمہ کو دولت اور غربت کے معاملے میں کچھ اس والہانہ شدومد سے بیان کرتے ہیں اور اس آیت کریمہ کی تطبیق صبر و قناعت سے کچھ اس یقین کے ساتھ کرتے ہیں (اور میں اُن کے اس حد یقین کو بنظر استحسان دیکھتا ہوں) کہ گمان ہوتا ہے کہ یہ آیہ کریمہ دولت کے استحصال کے بجا یا بے جا ہونے کے حامل کو اہل دولت کے حق میں قطع کر دیتی ہے، گویا کہ اہل دولت کی دولت اخلاقی یا قانونی بازپرس سے بالا ہے اور امیر کو امیر اور غریب کو غریب ہی رہنا چاہیئے۔بات اگر فقط دولت کے عیش وعشرت اور غربت کی معاشی تنگی تک ہی محدود رہتی تو اس آیہ کریمہ کی ایسی ہی تعبیر کرنے میں شاید عیب نہ ہوتا لیکن بات جب کا دالفقر ان یکون کفرا (نزدیک ہے کہ فقر انسان کو کافر کردے) یا دولت کے فرعونی اثرات تک پہنچتی ہے تو نظر آتا ہے کہ نا جائز استحصال کرنے والے امیر کی مدد کی جائے یعنی اُس سے بازپرس کی جائے اور نا جائز دولت اس سے واپس لی جائے اور اسے قوم کے معیاری اوسط پر مقید کیا جائے تا کہ وہ اس جہان فساد کا موجب اور عاقبت میں جہنم کا ایندھن نہ بنے اور غریب کو اس طرح افلاس کی چکی سے نجات دلا کر اسے کفر کے امکانات سے محفوظ کیا جائے۔امارت کی بازپرس لازمی ہے اور وہ تمام دولت جو اسلامی قانون معیشت کے خلاف حاصل کی گئی ہے۔ خواہ اس سارے دوران میں کوئی دوسرا نظام ہی متفقہ علیہ کیوں نہ رہا ہو۔بہرصورت یہ متفقہ علیہ نظام اگر اسلامی نہ ہو تو ملت اسلامیہ کے لئے قابل قبول نہیں اور اس کے دوران کمائی ہوئی دولت بازپرس کی حد میں لائی جائے اور چاہیئے کہ ہر شخص خواہ وہ امارت کے کسی درجے سے تعلق رکھتا ہو، خواہ غربت کے کسی درجے سے۔ہمیشہ اس بات کی تلاش میں لگا رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے امارت یا غربت کس مقصد کے لئے دی ہے اور اس کی اس حالت کا سبب کیا ہے؟ تا کہ اُس سبب اور اُس مقصد کی روشنی میں اپنے احوال کی درستی کر سکے قبل اس کے کہ پانی سر سے گزر جائے۔

(٦) مزید جو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ:۔

دولت فی نفسہ اللہ کی رضا و خوشنودی کی علامت ہے نہ ہی فقر اللہ کے غضب کی نشانی ہے۔اسی طرح نہ تو دولت اللہ کی نزدیکی کی علامت ہے نہ ہی غربت و افلاس اللہ تعالیٰ سے دوری کی نشانی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دولت اور فقر دونوں ہی اللہ کی مقرر کی ہوئی آزمائش کی بنیادیں ہیں۔امارت کا امتحان یہ ہے کہ دولت خرچ کہاں کی جاتی ہے اور غریب کی آزمائش یہ کہ آیا وہ اپنے مقدر پر قانع رہتا ہے اور تا دم آخر اسی منہاج پر قائم رہتا ہے۔انسانیت اس آزمائش کے بغیر قائم ہی نہیں رہ سکتی۔خیال فرمائیے کہ تمام لوگ اگر فقر و دولت میں برابر ہوں اور کوئی

کسی کی خدمت کرنے کے لئے موجود نہ ہو تو یہ انسانی معاشرہ جو باہمی خدمت پر ہی مبنی ہے کیسے قائم رہ سکتا ہے بلکہ ایسا معاشرہ تو بہت جلد برباد ہو کر روئے زمین سے نابود ہو جائے۔ اقلیم فلسفہ میں منطقیانہ غور وغوض سے ہم پر یہ راز فاش ہوتا ہے کہ ان اصولوں پر قائم کی ہوئی کائنات جن پر کہ یہ قائم ہے برابری کی بنیادوں پر قائم ہی نہیں ہو سکتی۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ تو قادر علیم ہے۔ علی کل شئی قدیر ہے جو چاہے ہو جائے۔ البتہ ہمارے پیش نظر یہی اصول ہیں جن پر یہ موجودہ کائنات قائم ہے اور اگر ان موجودہ اصولوں پر قائم اس کائنات پر ہر چیز کی برابری کا اطلاق کر دیا جائے تو ایسی کائنات کا وجود ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہ ایک نہائت اہم بات ہے اور اتفاق سے یہاں موجود ہو گئی ہے۔ میں اس موقع پر مندرجہ ذیل نظریہ سائنس دانوں اور فلسفیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں تا کہ وہ اس پر غور کریں۔ نظریہ یہ ہے کہ اس قسم کی دنیا جس میں ہم رہتے ہیں اور جن اصولوں پر یہ کائنات مبنی ہے، برابری کی بنیادوں پر ناممکن الوجود ہوتی۔ یہ نظریہ مزید اس بات کے امکان کو بھی ختم کر دیتا ہے کہ یہ کائنات آٹومیٹک مشین کی طرح محو کار ہے اور محض قدرت ہی کے قوانین پر اللہ تعالیٰ کے کنٹرول یا مداخلت کے بغیر کام کر رہی ہے۔ بلاشک دور جدید کے مخصوص فکری دھارے اسی روش پر محو پرواز ہیں کہ یہ کائنات اتفاقی طور پر وجود پزیر ہو گئی، نہ ہی اس کی تخلیق کا کچھ مقصد ہے اور نہ ہی خالق کو اس میں کچھ خاص دلچسپی ہے۔ تاہم اس کائنات کو ایک خودکار مشین سے تشبیہ دی جاتی ہے جو خود بخود بغیر کسی کنٹرول یا مداخلت کے محو کار ہے لیکن یہ خودکار مشین والا تخلیقی نظریہ اب سائنس دان چھوڑ چکے ہیں اور اب اُن کا خیال ہے کہ یہ کائنات مشین کی بجائے فکر (Thought) سے زیادہ مماثل ہے۔ خیال یہ ہے کہ رفتہ رفتہ سائنسدان اس امر میں قرانی حقائق کے زیادہ قریب آتے جائیں گے۔ بہر حال میرا نظریہ یہ ہے کہ کائنات خودکار مشین کی طرح کام نہیں کرتی نہ ہی اللہ تعالیٰ کی مداخلت سے ہی آزاد ہے اور اگر چہ اللہ تعالیٰ نے قوانین قدرت، جہاں تک قوانین کا تعلق ہے نا قابل تغیر بنایا ہے۔ تاہم اس بات کے کافی ثبوت موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ قدرت کے قوانین کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے اور ان کے عمل سے پیدا شدہ نتائج کو اس انداز سے بروئے کار لاتا ہے کہ واضح طور پر نظر آتا ہے کہ یہ کائنات خودکار مشین نہیں بلکہ کسی بالا قوت اور منفرد ذہن کی خواہش کے مطابق کام کر رہی ہے۔ واضح طور پر نظر آتا ہے کہ کوئی طاقت اس کائناتی مشین کے چکر کو معینہ راہ اور معینہ چکر سے نکال کر بغیر اس کے کہ اس کے توازن میں کوئی فرق نمایاں ہو یا یہ کنٹرول سے باہر جائے (کیونکہ معینہ قوانین قدرت تو اپنا کام کماحقہ کرتے رہتے ہیں)۔ اس کے عمل کے نتائج پر اپنی مرضی مسلط کر کے اپنی من مانی کر لیتی ہے۔ اس پیچیدہ امر کی وضاحت کی خاطر ہم بارش کی مثال پیش کریں گے اور بارش کے ساتھ اولوں کی مثال بھی سامنے آجاتی ہے۔ بارش کا برسنا اگر چہ ہمیشہ ہی بعض مخصوص اور معین طبیعاتی اور کیمیاوی اصولوں کے مطابق عمل میں آتا ہے مگر بارش ہر موسم میں ایک ہی وقت اور ایک جیسے حالات میں کیوں نہیں آتی۔ کبھی مہینوں گزر جاتے ہیں اور لوگ ایک ایک قطرے کو ترستے ہیں اور جو آتی ہے تو بعض اوقات بے تحاشا آتی ہے۔ حالانکہ ایک کارخانے میں لگی ہوئی پلیوں کے نقطے اپنے اپنے مقررہ وقت پر ایک مقام پر آتے ہیں اور اس وقت سے کبھی تغیر نہیں کرتے اور اگر کائنات بھی ایک مشین یا کارخانے کی طرح ہوتی تو پھر لازماً بارش کو ہر سال اُسی مقررہ وقت یا انہیں مقررہ اوقات پر آنا چاہیئے تھا۔ یہی نہیں بلکہ ہر قطرے کا حجم، بادل کی شکل وصورت، ٹمپریچر بھی وہی ہونا چاہیئے، یہی نہیں بلکہ میں جہاں پچھلی دفعہ کھڑا تھا مجھے اب کے بھی وہیں کھڑا ہونا چاہیئے تھا اور میرا ہمسایہ اسی چوزے کو آٹا کھلا رہا ہوتا اور راہ پر سڑک

وہی کار اُسی پلیٹ نمبر اور انہیں مسافروں کے ساتھ اُسی گڑھے میں پھنسی ہوتی مگر ایسا تو نہیں ہے اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ برابری کی مثال ہے اور برابری ناممکنات میں سے ہے کیونکہ مجھ سے پہلے میرے باپ کو بھی وہیں کھڑا ہونا چاہیئے تھا اور اس سے پہلے اس کے باپ حتی کہ ہمارے جد امجد باوا آدم کو بھی وہیں کھڑا ہونا چاہیئے تھا اور یہ کہ ہم سب کو ایک ہی شکل، ایک ہی عمر کا ہونا چاہیئے تھا اور یہ ناممکن ہے اور سب سے بڑھ کر کہ موت کو نہیں ہونا چاہیئے تھا کیوں کہ موت کا عمل عدم برابری پر مبنی ہے اور عدم برابری سے ہی شروع ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی روز سے یہ سب کچھ لکھ دیا تھا اور اسی کے مطابق سب کچھ چل رہا ہے تو پھر پاک ہے پروردگار بڑے مرتبوں والا، جس کی بزرگی اور برتری بھی عدم برابری کی ہی دلیل ہے۔ یہ تو تھا جملہ معترضہ۔ باقی ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ دولت اور فقر دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کی ہوئی آزمائش کی کڑیاں ہیں۔ اب جو کچھ جاننا چاہیئے وہ یہ ہے کہ آزمائشیں دونوں کی کڑی ہیں اور اگرچہ فقر کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ " کادالفقران یکون کفرا "۔ (ہوسکتا ہے کہ افلاس آدمی کو کفر پر مجبور کردے) لیکن دولت کی آزمائش اس طرح کڑی ہے کہ شاذ ہی کوئی اہل ثروت اس آزمائش میں کامیاب ہوتا ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔ مگر یہ عبرت امراء کو پکڑنی چاہیے۔ اگر تالیف، قلب تو غریب کی بھی اس دولت کی برائی کے بیان سے ہوتی ہے مگر آخر کار امراء بھی تو اس آگاہی سے مستثنیٰ نہیں بلکہ پہلی زد ہی اُن پر پڑ رہی ہے۔ مزید جو کچھ معلوم ہے۔ یہ ہے کہ:۔

(۷) جو کوئی بھی اس دنیا کا طالب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس میں سے کچھ دے گا مگر آخرت میں اُس کا حصہ سوائے بھڑکتی ہوئی آگ کے کچھ نہ ہوگا لیکن جو کوئی آخرت چاہے گا، آخرت میں اللہ تعالیٰ اُس کے لئے ایسی جنت میں گھر بنائے گا جس میں نہریں رواں دواں ہیں اور وہ وہاں ہمیشہ رہے گا۔ لیکن جو کچھ معلوم ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ:۔

اسلام نے اس عارضی دنیا اور ہمیشہ رہنے والی آخرت کی اس طرح باہم دیگر آمیزش کردی ہے کہ انسان اس عارضی، مادی، فانی دنیا کو ترک کئے بغیر ہی آخرت میں بھی ایک اچھے گھر کی اُمید رکھ سکتا ہے، کیونکہ اسلام نے اس دنیا کو آخرت کے ماتحت کردیا ہے۔ اس دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے۔ اس طرح کہ مسلمان کا ہر کام آخرت کے نقطۂ نظر سے ہی قرار پاتا ہے۔ یہ بات اسلام ہی کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ ورنہ باقی جملہ مذاہب میں آخرت کے حصول کے لئے ترک دنیا کی شرط ہے۔ البتہ مسلمان کو یہ سمجھ دی جاتی ہے کہ اس دنیا میں رہ کر بھی اس سے ہرگز دل نہ لگائے اور اس کی حقیقت کو آخر دم تک نہ بھولے اور اس دنیا میں رہ کر بھی آخرت کے خیال کو ہرگز اپنے دل سے نہ نکالے۔

(۸) مزید جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ:۔

اسلام کو بخل کی خاصیت سے اس درجہ نفور ہے کہ قرآن حکیم نے اس خاصیت کو منافق اور کافر کی خاصیت کہا ہے اور اس کے برخلاف سخاوت کو بہترین خصلت کا نام دیا ہے اور قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی تقلید میں سخاوت کے وہ وہ مظاہرے کئے ہیں کہ انہیں پڑھ کر انسانیت کی جان میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے اور حق تو یہ ہے کہ کسی فرد کے ایمان کی آزمائش ہی تب ہوتی ہے جب اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کے لئے کہا جائے یا اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان اور یا مال سے جہاد کرنے کے لئے پکارا جائے ورنہ اس آزمائش

کے بغیر تو ہر شخص کا دعوی ایمان کے معاملے میں بلند و آہنگ ہو سکتا ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ منافق کا دعوی سنجیدہ مسلمان سے بھی بلند تر ہو گا تا ہم اس امر میں جس چیز کے جاننے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ:۔

اسلامی نظام معیشت میں سخاوت اور بخل کو اس قدر دخل ہے کہ ہر دو کیفیتیں اسلامی نظام کے تانے بانے میں ہر مقام پر باہم دست و گریباں نظر آتی ہیں۔

(۹) جو معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر زکوۃ فرض ہے لیکن جو جاننا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

زکوۃ ہی اسلامی نظام معیشت کا سب کچھ نہیں، بلکہ یہ بعض دیگر عوامل کے ساتھ ایک عامل ہے گو کہ بہت اہم عامل ہے بلکہ زکوۃ اسلامی نظام معیشت کا پھول ہے جب کہ دوسرے عوامل اُس درخت کی جڑیں، تنا، شاخیں، پتے اور پھل ہیں۔ یہ دوسرے عوامل از قبیل:

(۱)''عفو''،

(۲)''مساوات''،

(۳)''اخوت''،

(۴)''حریت''،

(۵)''فیئ''،

(۶)''خمس''،

(۷)''دولۃً''،

(۸)''حلت بیع''

اور

(۹)''حرمت سود''

وغیرہ ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کو بھی اسلام کے معاشی نظام میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ زکوۃ اگر ارتکاز کو روکنے کے لئے حتمی طور پر موثر عامل ہوتی تو پھر قران حکیم میں ''کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم'' (ایسا نہ ہو کہ دولت تمھارے امیر آدمیوں کے درمیان ہی گردش کرتی رہے) کی آیت اتار کر لشکریوں کو مال غنیمت میں مروجہ حصے سے محروم نہ کیا جاتا بلکہ فریضہ زکوۃ کی ادائیگی ہی کافی سمجھی جاتی۔ پس معلوم ہوا کہ جہاں زکوۃ کی صورت Safety Valve (سیفٹی ویلو) کی ہے وہاں دولۃً کی کیفیت۔ Outlet Valve(آؤٹ لٹ ویلو) کی ہے۔ یاد رہے کہ دولۃً کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ جب بنو نضیر ایک یہودی قبیلہ نے جو مدینہ کی نواحی بستی میں رہائش پذیر تھا۔ آنحضور ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور وہاں سے حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تو یہ آیت اتری اور لشکریوں کو آیۂ خمس کے مطابق مال غنیمت کا 4/5 حصہ ملنے کی بجائے کچھ بھی نہ ملا بلکہ سارے کا سارا مال فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا گیا۔ اللہ تعالی نے صاف صاف فرما دیا کہ نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ ہی تم نے اپنے اونٹوں پر قطع منازل کیا بلکہ یہ سارا مال

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس لئے یہ سب فقراء مساکین کا حق ہے لشکریوں کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔ ایسا نہ ہو کہ دولت تمھارے امیروں کے ہاتھ میں ہی گردش کرتی رہے۔ آیہ دولتہ کا مفصل بیان اپنی جگہ پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مزید جو معلوم ہے۔ وہ ہے:۔

(۱۰) ''عفو''۔ ''یسئلونک ماذاینفقون قل العفو''۔ (یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں تو کہہ دے کہ جو تمھاری ضرورت سے فاضل ہو)۔ لیکن جو کچھ معلوم ہونا چاہیئے۔ وہ یہ ہے۔ کہ:۔

یہی آیہ کریمہ آگے چلتی ہے۔ ''کذالک یبین اللہ لکم الایات لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرۃ''۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تم پر نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے تا کہ تم فکر کرو۔ دنیا میں اور آخرت میں)۔ اس آیت میں دنیا اور آخرت کے مقابلے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اپنی ضروریات اور انفاق فی سبیل اللہ کی نسبت کے تعین کے لئے ایک بہت واضح اصول مقرر فرمادیا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ کسی انسان کی نجی ضروریات کی مقدار کا تعین ایک امر محال ہے۔ انسان طبعاً حریص واقع ہوا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی انسان خدا کی اس ساری زمین کا بھی مالک ہو جائے تو اُس کی حرص لازوال مزید ایک اور زمین کی تمنا رکھے گی۔ باقی واجبی مال و دولت کا تو کہنا ہی کیا؟۔ انسان بالعموم ہمیشہ اس مال سے زیادہ کا طلب گار ہو گا جو اُس کے پاس موجود ہے۔ پس انفاق فی سبیل اللہ کی مقدار کا اندازہ کیسے کیا جائے گا؟۔ قرآن حکیم نے جیسا کہ آیتِ مذکورہ سے واضح ہے۔ دنیا اور آخرت کا بلحاظ اہمیت موازنہ پیش کر کے گویا کہ ایک پیمانہ پیدا کر دی ہے۔ اپنی نجی ضروریات کے لئے جو خرچ کیا جائے گا وہ اسی دنیا کے لئے ہو گا۔ لیکن جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے گا وہ آخرت کے لئے ہو گا۔ آخرت کا گھر خریدنے اور بسانے کے لئے ہو گا۔ پس جتنی کسی کے دل میں قدر آخرت کی ہو گی اتنی ہی اس کی ضروریات زندگی کم اور انفاق فی سبیل اللہ کی مقدار زیادہ ہو گی اور جتنی ہی کسی کے دل میں آخرت کی اہمیت کم ہو گی اتنی ہی اس کی ضروریات زندگی کی مقدار زیادہ ہو گی۔ اس طرح ہم یہ فارمولا مرتب کر سکتے ہیں کہ آخرت کی اہمیت کی جو نسبت دنیا کی اہمیت سے ہے وہی نسبت انفاق فی سبیل اللہ کی مقدار کو نجی ضروریات کی مقدار سے ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ ''عفو'' کا اصول اسلامی مساوات کے حصول کا ایک طریق کار ہے۔ ایسی مساوات جس میں اخوت کی جھلکی ہے۔ ''عفو'' کا عملی نفاذ مدینہ کے انصار پر اُس وقت شروع ہوا جب مکہ کے مہاجرین وارد مدینہ ہوئے۔ اور یہ نفاذ اُس وقت تک رہا۔ جب تک مہاجرین کی مالی حالت کسی حد تک سنبھل نہ گئی اور پھر جب زکوۃ کی مقدار معین ہو گئی تو ''عفو'' کا معاملہ ذاتی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا مگر عفو کی آیت زکوۃ کے نفاذ سے منسوخ نہیں ہوئی کیونکہ ''عفو'' کا اصول اسلامی نظام معیشت کی بنیادی پالیسی ہے اور فرد کے مال میں فرد کے اپنے حق اور دوسرے مستحقین کے حقوق کا بنیادی اصول ہے اور مسلمان عندالضرورت اس حد تک جانے کے مجاز ہیں۔ اس کے مقابلے میں زکوۃ ایک ایسا فرض ہے جس کی مقدار اور اس کے لزوم کے لئے نصاب کی مقدار مقرر ہو چکی۔ امام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر حالات اس بات کے متقاضی ہوں جیسے کہ آج اس دور میں ہیں تو ''عفو'' کا نفاذ قانوناً کر دے اور کوئی نص یا حدیث اس امر میں مانع نہیں ہے۔ ''عفو'' اسلامی نظام معیشت کا دل ہے اور اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ دنیا کے کسی مذہب میں بھی اس کا وجود نہ تھا اور سننے والوں کے لئے یہ امر حیرتناک ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا کے ہر سچے مذہب میں سخاوت کا مقام بلند ہے اور سخاوت کے متعلق بے

حد تلقین ہے لیکن ''عفو'' کو ہر خاص و عام کے لئے عام کر دینا اسلام ہی کا حصہ ہے۔

سخاوت کا مقام اسلام میں اس قدر بلند ہے کہ معروف زمانہ حاتم طائی کے کفر کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سخاوت کو بنظر استحسان دیکھا۔ لیکن اسلام کا یہ معرکہ ہے کہ اسلام نے عفو کا اصول ہر مسلمان پر لاگو کر کے ہر فرد مومن کو سخاوت میں حاتم کا ہم پلہ کر دیا۔ اسلام میں عمومیت کی یہ مثال صرف ''عفو'' تک ہی محدود نہیں بلکہ اسلام نے ہر ایک اصول کو ہر مسلمان پر لاگو کر کے سب مسلمانوں کو برابر کر دیا۔ مثلاً ارکان دین، جہاد، تبلیغ۔ غرضیکہ ہر امر کو ہر مسلمان پر فرض کر کے ایک ایسی نئی طرح ڈال دی جس کا وجود دوسرے مذاہب میں نہیں ملتا۔ دوسرے مذاہب میں عموماً دو طبقے ہوتے ہے۔ ایک راہب، پادری برہمن وغیرہ جن کا کام دینی فرائض کی تکمیل ہوتی ہے۔ دوسرا عوام کا طبقہ جن کے لئے عبادات وغیرہ یا دوسرے دینی فرائض مرضی کا معاملہ ہیں۔ کوئی بات اس انداز میں فرض نہیں جس انداز میں مسلمانوں پر دینی احکام فرض ہیں۔ ''عفو'' کا معاملہ بعض لوگوں کے لئے باعث حیرت بعض کے لئے باعث حیرانی اور بعض دیگر حضرات کے لئے باعثِ سرگرانی ہوگا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ جہاں اسلام ایک طرف فرد کو حق ملکیت ہی نہیں عطا کرتا بلکہ اُس کی آزادنہ معاشی جدوجہد پر کسی قسم کی قدغن نہیں لگاتا۔ وہاں اسلام مسلمان سے یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ فرد اپنی آمدن یا نفع کو ملت کے دوسرے افراد کے ساتھ بانٹ کر کھائے تاکہ اسلامی مساوات اور ہمہ گیر اخوت کا مظاہرہ ہو اور ایک ہی خدا کے زیر سایہ رہنے والے افراد ایک باہمی الفت و رافت کا احساس کر سکیں۔

ایک نہایت ہی سمع نواز بات جو ہم اپنے قاری کریم کے گوش گذار کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جہاں ایک عام مسلمان کے لئے اسلام نے ''عفو'' ہی کو معیار گردانا ہے وہاں ہمارے پیارے نبی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معیار ہمیشہ ''عفو'' سے بلند رہا ہے یعنی جہاں عام مسلمان کو اپنی ضرورت سے فاضل مال اللہ کی راہ میں دینے کا حکم ہے وہاں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اپنی نجی ضروریات اور اہل بیت کی ضروریات کو نظر انداز کر کے سائلوں کی حاجت روائی فرمائی ہے۔ اور ایسے مواقع بھی موجود ہیں جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ''عفو'' کے معیار سے بلند تر اٹھ گئے ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائل کو اپنی قمیض اتار کر دے دی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وہی قمیض تھی۔ نماز کا وقت آ گیا۔ اذان ہوئی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرطِ حیا سے خانہ نشین تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے بعد از انتظار دولت سرائے پر حاضر ہو کر استفسار حال کیا تو حقیقت معلوم ہوئی۔ اس واقعے پر اللہ تعالیٰ کو آیہ کریمہ اتارنی پڑی کہ سخاوت میں اس حد تک بھی نہ بڑھ جاؤ کہ خود مجبور ہو کر بیٹھ جاؤ۔ یہ تو ہیں پیغمبر خدا نبی آخر الزمان فخر رسل، سرتاج انبیا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ جواب اس امر میں کافی ہے جب آپ سے آنحضور ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کچھ اپنے اہل و عیال کے لئے بھی چھوڑا ہے۔ تو اس پروانہ شمع رسول کا جواب تھا۔

پروانے کو شمع بلبل کو پھول بس صدیقؓ را اللہ کا رسول ﷺ بس

یہ اس روز کا واقعہ ہے جب غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے اپیل کی تھی۔ ایک اور صحابی ایک روز مسجد سے مہمان اپنے گھر لے گئے۔ بیوی سے پوچھا تو پتہ چلا کہ کچھ تھوڑی سی خوراک بچوں کے لئے دھری ہے باقی گھر میں کچھ نہیں تو اس اللہ کے

بندے نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو بہلا کر سلادو۔ پھر جب مہمان کے سامنے کھانا رکھو تو دیئے کی لو درست کرنے کے بہانے سے دیا گل کردو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مہمان کھانا کھاتا رہا اور میزبان پاس بیٹھ کر اندھیرے میں محض منہ ہلاتا رہا۔ صبح کو جب نماز کے لئے یہ صحابیؓ مسجد میں گیا اور آنحضرت ﷺ نے اُسے دیکھا تو آنحضرت ﷺ ہنس دیئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین نے آپ ﷺ کی ہنسی کا سبب پوچھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ رات بعض آدمیوں نے اپنے مہمان سے ایسا ایسا معاملہ کیا تو اُس وقت رب تعالیٰ نے خندہ فرمایا تو ہم نے بھی اسی طرح کیا۔

(۱۱) اب ہم اس نکتے پر پہنچ رہے ہیں کہ جس قدر وہ اسلامی نظام میں اہمیت کا حامل تھا اسی قدر اُس سے خلافت راشدہ کے بعد تمام تاریخ اسلامی میں غفلت برتی گئی۔ اگر چہ یہی نکتہ اسلام کے معاشی نظام کا کلیدی نکتہ تھا۔ ہماری مراد "دولۃ" سے ہے۔ "کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم" . ایسا نہ ہو کہ دولت امرا کے ہاتھوں میں ہی گردش کرتی رہے" ۔اس نکتے پر کوئی توجہ نہ دی گئی اور یقین مانئے، اسی بےتوجہی کے سبب رفتہ رفتہ اُمت اخلاقی، روحانی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ وہ واحد سبب جوامت مسلمہ کی مفلوک الحالی کا سبب بنا وہ اسلام کے معاشی نظام کا فقدان تھا اور وہ نقطہ جس کی عدم موجودگی کے سبب مسلمانوں کا معاشی نظام اسلام کا معاشی نظام نہ بن سکا۔ یہی دولۃً تھا۔ انتقال خلافت اور اجرائے ملوکیت کے معنے یہ تھے کہ مسلمانوں کی معیشت بادشاہوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ اُمت کے علماء کرام اور فضلاء کرام جہاں تک معیشت کا تعلق ہے بالکل کٹ گئے۔ زمین کا مالک خدا نہ تھا بادشاہ تھا۔ بیت المال مسلمانوں کا نہ تھا بادشاہ کا تھا۔ اسلامی معیشت پر ہر قسم کی تحقیق و جستجو بالکل رک گئی۔ کہاں کا دولۃً کہاں کا عفو۔ آئمہ اربعہ نے (خدا اُن پر رحم کرے اور انہیں جوار رحمت میں جگہ دے) صحیح اسلامی نظام معیشت کی جستجو کی اور اسے نافذ کرنے کے لئے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا مگر اُن کا حشر سب کے سامنے ہے۔ اُن کے بعد میں آنے والے تقلید پر قناعت کر گئے مگر افسوس کہ تقلید بھی نہ کر سکے۔ انتہائی بدنصیب تھا وہ روز جب مسلمانوں پر بادشاہ اپنی تمام خسروانہ سیاستوں سمیت مُسلط ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان بادشاہ دوسری قوموں کے بادشاہوں کے مقابلے میں فرشتے تھے۔ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" لیکن جب معیشت اور اسلامی معیشت کی حقیقی جستجو اور عملی نفاذ کا سوال سامنے آتا ہے تو مسلمان نقاد کو سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ بعض مسلمان بادشاہ درویش صفت بھی ہوئے ہیں جنہوں نے خزانہ عامرہ سے پائی تک وصول نہیں کی اور اپنا رزق قرآن حکیم لکھ کر یا ٹوپیاں سی کر حاصل کیا ہے۔ الحق کہ دنیا کی کوئی قوم انسانی تاریخ کے کسی بھی دور میں ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مسلمانوں نے بیشک جہاں ایک طرف شراب، جوا، خنزیر، سود اور دیگر ایسی مکروہات سے قابل تعریف حد تک کنارہ کشی کی وہاں دوسری طرف نادانستہ طور پر سود کی پیداوار کھاتے رہے اور سود تو صریحاً حرام ہے اور زہر خواہ دانستہ کھائی جائے خواہ نادانستہ۔ اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ سود کی پیداوار رفتہ رفتہ مسلمانوں کے دل و دماغ کو چاٹ گئی۔ ان کا خون زہر آلود ہو گیا اور روح پریشان ہو گئی۔ قاری محترم۔ یہ بات جاننے کے لئے بےقرار ہو گا کہ آخر وہ دولۃً کیا چیز ہے کہ جس سے پہلوتہی کی پاداش میں امتِ مسلمہ اس قدر مورد عتاب ہوئی اور تاریخ اسلامی میں حضرت عمر فاروقؓ کے بعد جس کا نام بھی نہیں سنا گیا اور یہ واقعی ایک حقیقت ہے کہ ساری تاریخ اسلامی میں کبھی بھی ارتکازِ زر کا سدباب نہ کیا گیا ہے نہ ہی اس کے متعلق کبھی سوچا گیا ہے۔ اور دولۃ ارتکاز زر کے سدباب

ہی کا نام ہے۔

قاری محترم کا تعجب اس بارے میں برحق ہے۔اور ہے بھی یہ حیرت ناک بات۔کہ اس قدر اہم معاملے پر اس قدر کم غور وغوض ہو لیکن یہ بالکل یہ حقیقت ہے کہ اس تل کے پیچھے پہاڑ او جھل ہے۔جس روز بھی مسلمانوں نے اس حقیقت کو کما حقہ پالیا اس روز سمجھئے کہ مسلمانوں نے اسلام کے معاشی نظام کی کنجی حاصل کرلی اور جس دن انہوں نے اس اصول کو لاگو کرلیا تو گویا اُن کے سب دکھ دور ہو گئے۔

آیئے۔اب دولۃً پر بحث کریں۔ "کَیۡ لَایَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ"۔''ایسا نہ ہو کہ دولت تم میں امیروں کے ہاتھوں میں ہی گردش کرتی رہے"۔انقلابی آیہ فئے کا حصہ ہے جو کہ بنو نضیر ایک یہودی بستی کے ہتھیار ڈالنے پر وہاں سے حاصل شدہ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں اتری۔یاد رہے کہ اس سے قبل مال غنیمت آیہ خمس کے مطابق تقسیم ہوتا تھا۔یعنی 4/5 حصہ لشکریوں میں تقسیم ہوتا تھا اور باقی پانچواں حصہ اللہ اور رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے اقربا اور دیگر فقرا اور مساکین کا ہوتا تھا۔

"وما افاء الله على رسوله منهم وما او جفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء والله على كل شى قدير. ما افاءالله على رسوله من اهل القرى فللله واللرسول ولذى القربى واليتمى والمسكين وابن السبيل كى لا يكون دولته بين الاغنياء منكم وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب".

(ترجمہ):۔ اور جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو اُن سے۔تو تم نے ان پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ۔ہاں اللہ اپنے رسولوں کے قابو میں دے دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے۔وہ اللہ اور رسول کی ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں، اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔کہ تمھارے اغنیا کا مال نہ ہو جائے اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے"۔(۵۹ الحشر رکوع ۱)۔

اس سے قبل مال غنیمت آیہ خمس کے مطابق بانٹا جاتا تھا یعنی لشکریوں کو پانچ میں سے چار حصے ملتے تھے اور باقی کا ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور فقراء و مساکین کا ہوتا تھا مگر اس انقلابی آیت نے نقشہ ہی پلٹ دیا۔لشکریوں کو کچھ بھی نہ ملا مگر تمام کا تمام مال فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا گیا اور قرآن حکیم نے فرمادیا۔کہ نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ ہی اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ مال اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔بنو نضیر کی بستی مدینہ سے محض تین میل پر تھی۔یہ تو تھا شان نزول اس آیت کریمہ کا۔اس کے بعد اسلامی تاریخ میں جو ایک بار دولۃً کا تذکرہ ہوا ہے۔وہ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد خلافت میں ہوا اور اس ضمن میں ایک معرکۃ آرا فتوی منصۂ شہود پر آیا لیکن افسوس کہ اس کے بعد "ملا موئے مہا بے چکے "اور دولۃً کی فائل خلافت راشدہ کے اختتام پر سرد خانے کی نذر ہوگئی۔حضرت عمر فاروق ؓ کا مذکورہ بالا فتوی صرف حضرت عمر فاروق ؓ کی ذاتی رائے نہ تھی بلکہ جہاں ایک طرف واضح نص قرانی پر مبنی تھی، دوسری طرف جلیل القدر ترین صحابہ کرام کا اجماع بھی اس امر میں واقع ہوا اور یہی وہ عظیم وخطیر فتوی تھا جس کی بنا پر حضرت عمر فاروق ؓ نے مقبوضہ ممالک کی اراضی کو مجاہدین پر تقسیم کرکے اُن کی ذاتی املاک بنانے کی بجائے تمام ایسی زمینوں کو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا تھا۔

واقعہ یوں ہوا کہ حضرت زبیر ابن العوامؓ اور حضرت بلال ابن حارثؓ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ مقبوضہ ممالک یعنی شام، عراق اور مصر کی زمینیں مجاہدین کے درمیان بحسب خمس تقسیم کی جائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے (جو مزاج شناس اسلام اور نہائت ہی دوررس انسان تھے) اس امر میں تامل فرمایا اور جلد صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس بلالی۔ اس مجلس میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدعا بیان کیا تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا۔ (اور معاذ بن جبلؓ وہ صحابی ہیں جن کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام صحابہ کرامؓ میں سے جو شخص سب سے زیادہ حلال اور حرام (شریعت اسلامی) کی سوجھ بوجھ رکھتا ہے۔ وہ معاذ ابن جبلؓ ہے۔ معاذ یمن میں آنحضور ﷺ کے قاضی بھی رہے)۔ یا امیر المومنین۔ اگر آپ یہ زمینیں ان مجاہدین میں تقسیم کر دیں گے تو اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو آپ کو ناپسند ہے۔ ان مجاہدین کی موجودہ نسل عنقریب عالمِ عقبیٰ کو سدھارے گی اور یہ زمینیں کسی بیوہ یا کسی یتیم بچے کے قبضے میں ہوگی۔ آپ کو ممالکِ اسلامیہ کی حدود و ثغور کی حفاظت کے لئے افواج درکار ہوں گی۔ ان افواج کے لئے ضروریات چاہیئے ہوں گی۔ آپ یہ ضروریات کہاں سے پیدا کریں گے۔ اس لئے امیر المومنین: کوئی ایسا کام کریں کہ ایک طرف تو یہ مجاہدین بھی راضی ہو جائیں تو دوسری طرف کوئی چیز اُن کے لئے بھی بچ جائے۔ جو بعد میں آنے والے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت معاذ ابن جبل کی اس بات سے کلی اتفاق تھا مگر آپ کے پاس قران وسنت سے کوئی سند ایسی نہ تھی جس کا سہارا لیتے۔ حضرت عمر فاروقؓ سخت بے قرار تھے بلکہ ایک عالم اضطراب میں تھے۔ حتیٰ کہ دفعتاً اللہ تعالیٰ نے آپؓ کے ذہن میں اسی آیہ کریمہ یعنی ''دولتہ'' کا فہم ڈال دیا اور آپؓ نے مطالبہ کرنے والوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ میں یہ زمینیں تمھارے درمیان ہرگز تقسیم نہ کروں گا اور میرے ذہن میں سوائے امت کی بھلائی کے کوئی دوسری بات نہیں۔ میں یہ زمینیں ان کے سابقہ مالکوں کے پاس چھوڑ دوں گا اور ان پر خراج عائد کروں گا۔ یہ خراج اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی بہبود پر خرچ ہوگی اور میں یہ حکم قران کریم کی آیہ ''دولتہ'' سے لگا رہا ہوں۔ باقی رہا دوسرا مال غنیمت تو اسے بحسب خمس مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ حاضرین میں سے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوھریرہؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے کلی اتفاق کیا اور مطالبہ کرنے والی جماعت نے بھی اس فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تاہم جب ہم ''دولتہ'' کے مسئلے پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ دولتہ کا نفاذ (یعنی ارتکاز زر اور بے پناہ باہمی مالی تفاوت کا سدِ باب) ہی اسلام کے معاشی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام سے ممیز کرتا ہے اور دولتہ کے نفاذ کے بغیر اسلام کے معاشی نظام کی کیفیت وہی رہ جاتی ہے جو دولہا کے بغیر برات کی ہوتی ہے۔ یہ تصور کر لینا کہ زکوۃ کا ما حقہ نفاذ اور اس کے ساتھ اسلامی قانون وراثت کا نفاذ ایسی چیزیں ہیں جو ارتکازِ زر اور مالی تفاوت کو روکنے کا حکم رکھتے ہیں۔ ایک نہایت مغالطہ انگیز مفروضہ ہے۔ اگرچہ زکوۃ اور قانون وراثت کے حقیقی نفاذ کی صورت میں ایک سرمایہ دارانہ نظام کی شدت میں کچھ کمی ضرور آجائے گی لیکن اسلامی نظام معاش کے تقاضے قطعاً دولتہ کے نفاذ کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے اور ایسا نظام ایک اچھا سرمایہ دارانہ نظام تو کہلا سکتا ہے مگر اسلامی نظام معاش ہرگز نہیں کہلا سکتا۔ تعجب کی بات ہے کہ بعض مسلمان ایک طرف تو کہتے ہیں کہ اسلام میں معیشت کے مسئلے کا سرے سے وجود نہیں اور دوسری طرف گانٹھ کے اتنے پکے ہیں کہ انفرادی حق ملکیت کے تقدس کی قسمیں کھاتے ہیں۔ غور کیا جائے اور جان لیا جائے کہ اسلام کا معاشی نظام صرف اور صرف وہی ہے جس میں ''عفو''، ''مساوات''، ''اخوت

"کے تقاضے دولتۂ کے ذریعے کاملاً پورے کئے گئے ہوں ورنہ وہ نظام باوجود اسلامی لیبل کے سراسر غیر اسلامی اور سراسر سرمایہ دارانہ نظام ہوگا۔ اب جب کہ واضح ہو چکا ہے کہ زکوۃ اور اسلامی قانون وراثت ارتکاز زر اور مالی تفاوت کا حقیقی اور موثر سدِ باب نہیں اور ہم جب کہ جانتے ہیں کہ اسلام انفرادی ملکیت پر تحدید نہیں کرتا اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام امیروں ہی کے ہاتھوں میں دولت کی گردش کو بھی ناپسند کرتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دو ظاہراً متضاد نظریوں کو باہمی تطبیق کر کے کیسے قابلِ عمل بنایا جائیکہ انفرادی ملکیت اور آزاد کاروبار بھی قائم رہے اور دولت امیروں کے ہاتھوں میں بھی گردش نہ کرتی رہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جسے سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہی اسلامی نظام معاش کی کلید ہے اور اسی کیفیت کا عملی نتیجہ اسلامی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام میں تفریق کرتا ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس سے صحیح اسلامی نظام معاش عملاً پیدا ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہی وہ مسئلہ ہے جس پر اُمت مسلمہ کے دانشوروں کو اپنی توجہ مرکوز کردینی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے اس عقدہ کے حل کی توفیق مانگنی چاہیئے۔ ہماری مشکلات کا حل نفاذ اسلامی معیشت اور ہماری جملہ خرابیوں کی جڑ غیر اسلامی معاشی نظام ہے۔

باب دوم

اسلامی تحدید کا طریقہ

ہم جانتے ہیں کہ اسلام افراد کی ملکیت اور اُن کی معاشی جدوجہد پر تحدید نہیں کرتا۔ اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ بعض افراد دوسروں کے مقابلے میں بالخصوص اس مشینی دور میں آگے بڑھ جائیں گے اور رفتہ رفتہ بالآخر چند افراد تمام ملکی دولت اور وسائل پر قابض ہو جائیں گے تو پھر کیا اسلام ان امرا کے ہاتھ میں دولت کا اکٹھ دیکھ سکتا ہے۔ نہیں بلکہ اسلام تو ایسا نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ قرآن حکیم کی آیہ "کَیۡ

لا یکون دولۃً بین الاغنیاء منکم'' سے واضح ہے اور اگر اسلام ارتکاز زر اور تفاوت مالی کے معاملے میں خاموش رہتا تو گویا کہ اسلام کا معاشی نظام ایک سرمایہ دارانہ نظام ہوتا۔اسلام اگر زکوۃ نافذ کرتا ہے تو سرمایہ داری بھی ٹیکس نافذ کرتی ہے۔اسلام میں قانونِ وراثت اگر ہے تو سرمایہ داری میں بھی قانونِ وراثت ہے گو کہ اسلام کا قانون وراثت زیادہ تعداد میں ورثا کا تعین کر کے نثر، دولت کا دائرہ وسیع تر کر دیتا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا ایسا طریق کار اختیار کیا جائے کہ فرد کی نجی ملکیت بھی باقی رہے اور فرد کی ملکیت یا بنیادی سرمایہ کی تحدید بھی نہ ہو اور پھر اس کے ساتھ "کی لا یکون دولۃً" کا مقصد بھی حاصل ہو جائے یعنی ارتکاز زر اور بے جا تفاوت مالی کا بھی سد باب ہو جائے۔اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں اسلامی معیشت کے تمام بنیادی اصول سامنے رکھ کر اس طرح باہم دیگر جوڑنے ہوں گے۔جس طرح مشین کے مختلف پرزوں کو جوڑ کر مشین کو مکمل کر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ اسلامی مشین میں اسلامی سپرٹ کا پٹرول ڈال کر اسے چالو کر لیا جائے اور یہ اپنا کام کرنا شروع کر دے۔اسلامی معیشت کے مندرجہ ذیل کل پرزے ہیں:

(I) ''عفو'' یعنی اپنی ضروریات سے فاضل مال مستحقین کا حق ہے۔مال کو جوڑ جوڑ کر رکھنے والے کا چہرہ اور سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپا کر داغا جائے گا۔

(II) مساوات۔تمام انسان بنیادی حقوق میں برابر کے حق دار ہیں۔

(III) تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

دولۃً کا نفاذ کرنے کے لئے مندرجہ بالا تینوں عامل جو کہ اسلام اور اسلامی معیشت کی روح ہیں، مدنظر رکھے جائیں گے اور ایک ایسا اوسط معیار قائم کیا جائے گا جو بالائی متوسط طبقہ کا ہو سکتا ہے۔اس معیار سے اوپر والی دولت یعنی سالانہ آمدن یا نفع اس معیاری لائن پر لایا جائے گا اور اس لائن سے نیچے والے طبقے مثلاً مزدوروں، ملازموں محتاجوں وغیرہ پر خرچ کیا جائے گا اور اگر مکمل اور مطلق برابری تو ناممکنات میں سے ہے۔تاہم اس طریقے سے انتہائی امیر اور انتہائی غریب طبقے ناپید ہو جائیں گے۔''عفو'' کا مقصود بھی حاصل ہو جائے گا، مساوات بھی نافذ ہو جائے گی اور اخوت کی روح بھی موجزن ہو گی۔اس طرح کہ جب ایک لاکھوں پتی مثلاً محض ایک لاکھ روپیہ اپنے سال کے نفع سے اپنے سال کے خرچے کے لئے رکھ کر باقی دس لاکھ یا دو لاکھ یا ایک لاکھ مثلاً واپس کر دے گا تو اخوت کا ایک دریا اس کے دل میں موجزن ہو گا اور وہ شکر کا سجدہ ادا کرے گا کہ اللہ نے اسے اس قابل بنایا، یہ سسٹم اگر کسی کے خیال میں درست نہ ہو اور اس کی بجائے

۔''عفو'' ''مساوات'' اور ''اخوت'' کے ساتھ ''دولۃً'' کے حصول کے لئے کوئی دوسرے متبادل عارضی اقدامات اختیار کئے جائیں تو یاد رہے کہ وہ عارضی ثابت ہوں گے اور مرض کی جڑ وہیں موجود رہے گی اور کبھی نہ کبھی تکلیف کا باعث ہو گی۔دولۃً کے نفاذ کے لئے ہمیں مسلمان قوم کو ایک خاندان تصور کرنا ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ ''مسلمان بھائی بھائی ہیں''۔(کل مسلم اخوۃ)۔جب ہم اس انداز میں سوچتے ہیں تو معاملے کی ساری پیچیدگی کافور ہو جاتی ہے اور معاملہ بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔وہی معاملہ جو پہلے ایک خوفناک پہیلی بنا ہوا تھا۔انداز فکر کو اس دھارے میں ڈھالنے سے فوراً حل ہو جاتا ہے اور ہم اپنے آپ کو اُسی اسلام کے سایہ میں دیکھتے ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلام تھا۔ہم محسوس کرنے لگتے ہیں کہ یہ زمین اور جو کچھ کہ اس سوائے میں بشمولیت انسانیت

ہے۔اُسکا مالک اللہ ہی ہے۔ہم یہ بھی محسوس کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہر ذی روح کو اللہ تعالیٰ کے پیدا کیئے ہوئے رزق میں سے اپنا حق مانگنے کا حق حاصل ہے اور یہ کہ یہ دولت جو ہم نے کمائی ہے ہمیں کسی خاص لیاقت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے حاصل ہوئی ہے۔ہم سمجھ جاتے ہیں کہ فقر و دولت محض آزمائش کے وسیلے ہیں۔دولت ہماری نگاہ میں دیوی کے مقام سے گر جاتی ہے اور ہم اس کے خطرناک پہلوؤں سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ہمارے ذہن پر ''عفو''، ''مساوات'' اور اخوت کے تصورات چھا جاتے ہیں اور اس عارضی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی لازوال زندگی مقدم ہو جاتی ہے اور اس فضا میں ہم اپنی قوم کو ایک خاندان کی صورت میں دیکھتے ہیں جس میں تمام افراد اپنے اپنے کام میں مصروف نظر آتے ہیں۔ان کو ان کے متعدد اشغال کے لئے بنیادی سرمایہ اور باقی دیگر ضروریات بے قدغن مہیا کی جاتی ہیں اور ان کو آزاد معاشی جدوجہد میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جاتی مگر شام کو جب وہ اپنی اپنی کمائی کے ساتھ لوٹتے ہیں تو وہ والدین کے پاؤں میں ڈال دیتے ہیں جسے وہ بنیادی طور پر مساوات کی روح کے ساتھ کنبے پر خرچ کرتے ہیں۔تاہم ہر فرد کی خصوصی نوعیت کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔سکول میں جانے والے بچے کی ضروریات کو اگر نگاہ میں رکھا جاتا ہے تو ریوڑ چرانے والے چرواہے کی خصوصی ضروریات اس کے پیشے کی نوعیت کے مطابق پوری کی جاتی ہیں۔ایسا یا تقریباً ایسا ہی نظام اسلام کا معاشی نظام ہے۔اسلامی ریاست کو چاہیئے کہ ایک کمیٹی ایسی قائم کرے جو ماہرین اقتصادیات پر مشتمل ہو۔یہ کمیٹی قومی اقتصادیات اور ملی اور انفرادی معیشت کو نگاہوں میں رکھے اور ایک مناسب متوسط قسم کا اوسط معیار قائم کرے۔یہ معیار ایک سالہ، دو، تین، چار یا پانچ یا زیادہ سالہ بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے۔یہ معیار خالصاً سالانہ آمدن یا نفع پر قائم ہو گا۔فرد کی ذاتی جائیداد یا بنیادی سرمایہ سے ہر گز واسطہ نہ رکھا جائے گا۔اس اوسط معیار کی لائن سے اوپر والی دولت کو اس لائن پر لا کر ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا جو اس سطح سے نیچے ہوں گے۔ان میں مزدور، ملازم محتاج وغیرہ ہر قسم کے لوگ ہوں گے۔جذیات اور باریکیوں سے گھبرانے اور قبل از مرگ واویلا کرنے کی ضرورت نہیں۔تمام امور جو تصفیہ طلب در پیش آئیں گے اُن سب کا تصفیہ ہو سکے گا۔افراد کی بہبود کے مقابلہ میں مادی ترقی کے لئے سرمایہ کے سوال پر غور کرنے والوں کے خدشات بھی بے بنیاد ثابت ہوں گے اور ایسے نظام اور ایسے طریق کار کو بے سوچے سمجھے ناقابلِ عمل قرار دینے والوں کا خیال بھی غلط ثابت ہو گا بلکہ ہر خدشہ، ہر خوف اور ہر تذبذب بے بنیاد ثابت ہو گا۔معاشیات کی طبعی متغیرانہ روش کے سبب ایسی اوسط کا معیار بھی لازماً تغیرات کے تابع ہو گا۔تاہم اوپر اٹھیں گے تو اپنی اپنی نسبت سے سب اور جو نیچے گریں گے تو بھی سب۔یہی اصول ہے اور اس کے نفاذ کے بغیر چارہ نہیں۔اس کے مقابل میں تحدید اگر بنیادی جائیداد یا بنیادی سرمایہ پر ہو گی تو وہ سراسر غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ نہایت غیر معتبر اور بے وفا معشوق کے وعدہ وصل سے زیادہ بے ثبات ثابت ہو گی۔آج اگر دو سو ایکڑ اور ایک سو پچاس روپے کی حد بندی کی جاتی ہے تو قوم کے پاس کیا گارنٹی ہے کہ آنے والی کوئی حکومت اس حد بندی کی تقدیس کا لحاظ کرے گی اور دو سو کو دو ہزار ایکڑ اور ایک سو پچاس روپے کو ایک سو روپے میں نہ بدل دے گی اور خاص کر جب کہ ہماری اسمبلیوں میں ممبر وہی لوگ ہوں گے جو خود سرمایہ دار یا جاگیردار یا امراء کے طبقے سے ہوں گے۔اور یہی اسمبلیاں با اختیار ہوں گی تو پھر کیا گارنٹی پبلک کے لئے رہ جاتی ہے کہ تغیر و تبدل وقوع پذیر نہ ہو گا لیکن اس کے مقابلے میں قوم اگر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دولت کے نفاذ کی خاطر اوسط معیار کے ساتھ اس اصول کو ایک ناقابل تغیر قانون کی صورت

دے دے گی تو پھر کسی حکومت یا کسی اسمبلی کو یہ جرات نہ ہو سکے گی کہ اس قومی تقدیس کو مجروح کرنے کی کوشش کرے۔ اوسط معیار کا قانون ایک ایسا قابل احترام قانون ہوگا۔ جسے قوم میں ایک ایسی حیثیت حاصل ہوگی کہ جسے پامال کرنے کا خیال تک کسی صاحب اقتدار جماعت یا اسمبلی یا حکومت کو نہ آسکے گا اور ساتھ ہی یہ اوسط معیار فرد اور ملت کی متغیر اقتصادیات کے ساتھ ساتھ بدلتا رہے گا۔ ایک بہت بڑا فائدہ جو اس طریق کار کا ہوگا وہ یہ ہے کے مزدور اور کارخانہ دار، ملازم اور مالک غریب اور امیر کے درمیان جو لازمی چپقلش رہتی ہے یکسر ختم ہو جائے گی۔ مزدوروں کی ہڑتالیں، ملازموں کے احتجاج اور غریب کی سب شکایات ناپید ہو جائیں گی کیونکہ مزدور، ملازم اور غریب یہ جان لیں گے کہ جو کچھ انہیں بطور تنخواہ یا اجرت مل رہی ہے قومی معیشت کا تقاضا ہے کہ وہی کچھ ان کو ملے کیونکہ قومی دولت ان کی نظروں کے سامنے ہوگی اور وہ جانیں گے کہ زائید دولت سب کی سب لوٹ کر ان کی طرف آرہی ہے اور کہیں ارتکاز زر نہیں ہو رہا۔ یہی نہیں بلکہ وہ امراء کی اس قربانی کو بنظر استحسان اور بجذبہ تشکر دیکھیں گے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے خاندان کے افراد تصور کریں گے جس میں ٹھیک ایک خاندان کی طرح عدل و احسان اور مروت و شفقت کا ماحول قائم و دائم ہے اور مزدور ایک سو پچاس تو کیا پچاس پر بھی راضی رہیں گے کیونکہ وہ جانیں گے کہ قومی دولت میں یہی کچھ اُن کا حقیقی اور منصفانہ حصہ ہے ورنہ دوسری صورت میں ایک سو پچاس تو کیا اگر ایک ہزار پچاس بھی ان کی تنخواہ مقرر کر دی گئی تو یقین کیجئے کہ وہ کبھی مطمئن نہ ہوں گے اور ایک ہزار ایک سو کا مطالبہ کر کے ہڑتالوں پر ہڑتالیں کئے جائیں گے۔ اس دور میں انسان کے خرچ بہت اور فطرتی طور پر انسان کی حرص وسیع اور حسد و طمع کے جذبات طبعی ہیں۔ آج یا کبھی بھی ایک معاشرہ کے افراد کی تسکین قلبی اور اطمینان خاطر کے لئے روپے کی مقدار کے مقابلے میں عدل و انصاف کا یقین کہیں زیادہ موثر عامل ہے۔ غریب خاندانوں کے بچوں کو کبھی بھی غربت سے تنگ آکر اپنے والدین کے خلاف ہڑتال کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور اگر کسی ایسے خاندان میں ایسے اثرات نمودار ہوں گے تو اس کی وجہ غربت نہ ہوگی بلکہ والدین کے تعصب یا بے انصافی کی شکایت کارفرما ہوگی۔ اس کے علاوہ بھاری صنعت خود بخود رفتہ رفتہ قومی تحویل میں آجائے گی۔ کوئی شخص تنہا ایک کارخانہ کھڑا کرنے کی سکت نہ پائے گا اور بے شمار حصہ داروں کی صورت میں نفع نا قابل اعتراض حد تک قلیل ہوگا۔ میں اکثر لوگوں کا یہ خدشہ بڑے تعجب اور خصوصی دلچسپی سے سنتا ہوں کہ اگر کارخانہ دار یا کروڑ پتی کو یہ معلوم ہو گیا کہ اُسے تو اُس کی لاکھوں کی کمائی سے فقط مثلاً ایک لاکھ یا تیس ہزار روپے سالانہ ملیں گے تو پھر اُس کے لئے اپنے کام کے لئے دلچسپی کیا انسنٹو (incentive) کیا وجہ انگیخت رہ جائے گی۔ وہ تو کاروبار میں دلچسپی لینا ہی چھوڑ دے گا اور ایسے آدمی تو اپنی خصوصی اہلیت کی وجہ سے قوم کے لئے بیش قیمت اور نہایت ضروری افراد ہیں۔ میں اپنے ان بھولے بھائیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایک نیم برہنہ مزدور دن بھر کی کمر توڑ مشقت اور کارخانے کی صبر آزما دھواں دھار کے بعد شام کو اپنے گھر اس طرح لوٹتا ہے کہ اُس کے بچے بھوک سے بلبلاتے ہوئے اس طرح محو خواب ہو جاتے ہیں کہ گویا اُن پر غشی طاری ہوتی ہے لیکن یہی مزدور جب صبح کو مدہوشی سے بیدار ہوتا ہے تو کام کے لئے اتنا انسنٹو incentive محسوس کرتا ہے اور کارخانہ کے دھوتو کی آواز کی طرف پیدل یا سائیکل پر اس طرح لپکتا جا رہا ہوتا ہے جیسے کہ مردہ اپنی قبر سے صور، اسرافیل کی آواز پر لپکے گا تو پھر کارخانہ دار اور سرمایہ دار کے لئے کیوں نہ کارخانے کی ملکیت بمع مزدوروں پر حکومت، کوٹھی، کار، نوکر چاکر اور سب ہلا گلا۔ کام کرنے کیلئے انسنٹو Incentive پیدا کریں گے۔ جبکہ وہ یہ بھی

جان لے گا کہ مال و دولت کا مالک اللہ ہے اور اُس کی ساری مخلوق کو اسکے رزق میں اتنا ہی حق ہے جتنا کہ کارخانہ دار کو ہے کارخانہ بھی خدا کا۔ مزدور بھی خدا کے اور کارخانہ دار بھی خدا کا۔ اور کارخانہ دار کو اللہ کی نعمت کا شکر گزار ہونا چاہیے اور اس شکریئے میں خدا کی دُکھی اور کمزور مخلوق پر شفقت کرنی چاہیے۔

اب ہم اسلامی نظام معاش میں دولت کے نظریئے کی وضاحت کے لئے ایک باغ کی مثال پیش کریں گے۔ ایک شخص نے باغ لگوایا جس میں قسم قسم کے پودے تھے باغ کے مالک نے مالی کو تلقین کی کہ جو درخت بھی دوسرے درختوں سے یعنی اوسط اونچائی سے اٹھنے لگے اُس کی شاخوں کو قینچی ڈال دے۔ مالک یہ نصیحت کر کے کسی بیرونی ملک میں چلا گیا۔ مالی مالک کی عدم موجوگی میں ایک غیر متوقع حادثے میں ہلاک ہو کر ملک عدم کو سدھارا۔ مالی کے بیٹے نے طبعاً باغ کو سنبھال لیا۔ اپنے مرحوم باپ کی نشانی سمجھ کر اُس نے ایک محبت بھرے انداز میں باغ کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ تاہم اُس کے اس جذبہ محبت اور محنت کے باوجود بعض چھوٹے درخت سوکھ کر جھڑتے گئے۔ لیکن اُن کے مقابلے میں بعض درخت آسمان سے باتیں کرنے لگے اور باغ کے اکثر رقبے کو گھیر لیا اور چھوٹے درختوں پر چھا گئے۔ حتیٰ کہ باغ کا مالک واپس آ گیا۔ اس نے جب باغ کی اجڑی ہوئی حالت دیکھی تو خون کا گھونٹ پی کے رہ گیا۔ مالی کے بیٹے کو طلب کیا اور کہا کہ تو نے میرے باغ کے ساتھ کیا کیا؟ تو مالی کے بیٹے نے کہا۔ میرے آقا! میں نے تیرے باغ کی مقدور بھر خدمت کی اور میں نے کسی قسم کی کسر نہ اٹھا رکھی۔ میں نے ہر درخت کو فرداً فرداً پانی دیا۔ ہر درخت کی جڑوں میں گوڈی کی۔ دن کو پرندوں سے اور رات کو آدمیوں سے رکھوالی کی لیکن میں باغ میں بعض درختوں کو سوکھنے سے روک نہ سکا اور یہ چند عظیم الجثہ درخت سارے باغ پر چھا گئے۔ مالک نے پوچھا کہ کیا تمھیں والد نے نصیحت نہ کی تھی کہ جو درخت بھی دوسروں کے مقابلے میں اوسط اونچائی سے بلند اٹھنے لگے تو اُس کی ابھرتی ہوئی شاخوں میں قینچی ڈال دی جائے۔ تو مالی کے بیٹے نے جواب دیا۔ میرے آقا۔ میرا مرحوم والد حادثے کا شکار ہو گیا تھا اور جب اُس نے دم توڑا تو میں اُس کے پاس نہ تھا۔ اس لئے میں اس کی وصیت نہ سن سکا۔ یہ سن کر مالک نے کہا۔ کہ اچھا میرے باغ کو پھر سے لگاؤ۔ ہر قسم کا پودا لاؤ اور ہر ہر پودے کی رکھوالی کرو لیکن یہ نہ بھولنا کہ درخت بھی دوسروں کے مقابلے میں اوسط اونچائی سے اوپر اٹھنے لگے۔ اس کو قینچی ڈال دو۔ یہ مثال اسلامی معیشت کی تاریخ اور اس کی تاریخ میں دولت کے انجام کی بھی وضاحت کرتی ہے۔ اللہ کے رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معیشت کا باغ لگایا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مالی کے طور پر اس باغ کی خدمت میں لگایا مگر خلافت راشدہ کی موت کے ساتھ یہ مالی بھی مر گیا اور اس کی ذریت نے باغ سنبھالا۔ مگر ارتکاز اور بے جا مالی تفاوت کے سدباب کو فراموش کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بعض لوگ تو امیر تر ہو گئے اور اکثریت فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئی۔ ہو سکتا ہے کہ اب مالی واپس آ گیا ہو اور مالی کے بیٹے سے پرسش کر رہا ہو۔ اسلامی نظام معاش اور اس میں دولت کے کردار کی ایک دوسری مثال ہاکی کی گراونڈ کی ہے۔ اس میں گیارہ کھلاڑی ہیں۔ ہر کھلاڑی کے اردگرد ایک رقبہ معین ہے جس میں وہ آزادانہ کھیل سکتا ہے اور اپنی سیدھ میں بھاگ سکتا ہے۔ اور کسی دوسرے کھلاڑی کے رقبے میں نہیں جا سکتا۔ پھر گراونڈ کے اردگرد ایک لائن ہے جسے باونڈری لائن کہا جاتا ہے۔ جوں ہی اس لائن سے گیند باہر نکلتی ہے ریفری سیٹی بجا دیتا ہے اور کھیل اس وقت تک شروع نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ گیند گراونڈ میں اس باونڈری لائن کے اندر نہ آ جائے۔ یہ باونڈری

لائن دولتہ کی لائن ہے اور اوسط معیار کی مانند ہے۔ جوں ہی گینداس سے باہر گئی یعنی دولت اس سے زائد ہوئی تو دولت کو واپس اس حدود میں لایا گیا جس طرح ہر کھلاڑی کا ایک رقبہ ہے۔ اسی طرح اسلام میں ہر فرد کو ملکیت کا حق ہے اور جس طرح ہر کھلاڑی کے لئے اپنی سیدھ میں کھیلنے پر کوئی پابندی نہیں۔ اسی طرح اسلام میں فرد کی ملکیت پر تحدید نہیں۔

ختم شدہ